مدارسِ دینیہ کے فضلاء کو درپیش مسائل اور ان کا حل

ابوالحسن نعیم

مدارسِ دینیہ دنیا بھر میں اسلام کے قلعے کے طور پر معروف ہیں۔ اسلامی تعلیمات و تہذیب کے احیاء اور تحفظ مدارس کے ہی مرہون منت ہے۔ ان اداروں نے جہاں بھر میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا پرچار کیا اور عہدِ زوال میں اس کی حفاظت کی، نہایت عمدگی سے اس کو اپنائے رکھا اور آج تک اس روایت سے اپنے آپ کو قطع تعلق نہیں کیا۔

مدارسِ دینیہ بنیادی طور پر تعلیمی ادارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان اداروں میں ایک مخصوص اور مروجہ نصابِ تعلیم موجود ہے جس کے ذریعے ایسے علماء تیار کیے جاتے ہیں جو ان اداروں سے فراغت کے بعد معاشرے میں اسلام کے نمائندے کے طور پر اپنے فرائضِ منصبی انجام دے سکیں۔ ان تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ مختلف صلاحیتوں کے حامل افراد ہوتے ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں میں جاکر اپنا تعاون شامل کرنے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

لیکن معاشرے کی بھیڑ چال میں جانے سے قبل وہ ایک طویل عرصہ مدرسے کی چار دیواری میں گزار دیتے ہیں۔ ایک بچہ جب ناظرہ و حفظ کے لیے مدرسے میں داخل ہوتا ہے تو قریباً پانچ سے چھ سال میں وہ ناظرہ و حفظ کی تکمیل سے فراغت حاصل کرتا ہے۔ بعد ازاں کبھی تجوید القرآن اور تو کبھی درسِ نظامی کی تعلیم کا آغاز کرتا ہے۔ محض درسِ نظامی کی تعلیم کا دورانیہ ہی آٹھ سال پر محیط ہے۔ اس آٹھ سالہ دورانیے میں وہ اپنے یومیہ اوقات میں سے اکثر حصہ یا تقریباً مکمل دن مدرسے کی چار دیواری میں گزار دیتا ہے۔ وہ مدرسے کی دہلیز پار کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ بسا اوقات مدارس خود اس کا بندوبست کرتے ہیں اور کہیں مدرسے کے نظم میں اوقات کار اور نظم الاوقات کی ترتیب ہی کچھ ایسی ہوتی ہے کہ طلبہ مدرسے سے باہر قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرتے۔ تاہم طلبہ اس طویل دورانیے میں (جو قریباً تیرہ

سال پر محیط ہے) مدرسے کی چار دیواری میں گزار دیتے ہیں اور ان ایام میں معاشرے کی قیل و قال اور رسوم ورواج سے قطعی نابلد ہوتے ہیں۔

لیکن جب ایک طالب علم بطور مدرسہ فاضل معاشرے میں قدم رکھتا ہے تو اسے چند مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو معاشرے کی طرف سے نہیں بلکہ خود مدارسِ دینیہ کی جانب سے اس کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اگر مدارس دینیہ چاہتے تو ان مسائل سے چھٹکارا حاصل کرنے میں فاضلین کے ساتھ تعاون کر سکتے تھے مگر مدرسے میں اپنی طویل مدت گزارنے والا طالب علم چند ایسے مسائل کا شکار ہو جاتا ہے جو اس کے لیے فراغت کے بعد مشکلات کا باعث بنتے ہیں۔

ذیل میں ہم ایسے چند مسائل کی نشاہدہی کریں گے اور ان مسائل کا سدِ باب کرنے کے لیے چنداں تجاویز بھی دیں گے تاکہ طلبہ کو ان مسائل سے بچانے کے لیے اصحابِ فکر و نظر اور اہلِ مدارس اپنی تگ ودو کر سکیں۔

1. اسلام کی حقانیت اور طلبہ کی آگہی

اولاً مدارس دینیہ کے مقاصدِ تعلیم میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ دین حنیف کا دفاع کر سکیں۔ معاشرے میں جہاں بیسیوں ایسے نظریات و افکار کا پرچار ہے جو غیر اسلامی اور غیر فطری رجحان کے حامل ہیں طلبہ ان نظریات سے نابلد ہوتے ہیں۔ مدارسِ دینیہ میں ان مسائل سے متعلق کوئی آگاہی نہیں دی جاتی۔ ایسی کتب کو داخلِ نصاب نہیں کیا جو سوشلزم، کمیونزم، دہریت و الحاد، نیچریت وغیرہ کے بارے میں آگاہی دیں اور ان کا سدِ باب کرنے کے لیے معاون مواد فراہم کریں۔ طلبہ کی مناسب رہنمائی ہو اور ان کی درست نہج پر ذہن سازی ہو تاکہ جب وہ معاشرے میں قدم رکھیں اور ایسے ناسور سے واسطہ پڑے تو ان کے قدم دین حنیف پر جمے رہیں اور ان نظریات کو قلع قمع کرنے کے لیے وہ آگے بڑھ سکیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مذہبی تعلیم کے مقاصد کو ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط

ترجمہ": اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور ان کے ساتھ اس طریقہ سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے"۔ (سورہ النحل:125)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو مقاصدِ تعلیم ذکر کیے :

- تبلیغِ دین
- دفاعِ دین

ہمارا مقصود دوسرا مقصد ہے جو کہ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ دفاعِ دین کا کام یہ ہے کہ دنیا بھر میں جو اسلام مخالف نظریات ابھرنے کی کوشش کریں یا ان کی ترویج کا آغاز ہو تو اہلِ علم کا فرض ہے کہ ان نظریات کا بھرپور طریقے سے رد کریں اور جہاں کہیں ایسے افراد پائے جائیں کہ وہ اسلامی تعلیمات و احکامات، اسلامی تصورات و عقائد اور اسلامی اصول و مبادی پر اعتراضات کریں تو ان لوگوں سے بھی احسن طریقے سے مباحثہ و مجادلہ کرتے ہوئے اسلام اور اسلامی تعلیمات و نظریات کا بھرپور دفاع کرنا ہے۔

لیکن اگر آپ مدارس کے نصابِ تعلیم کا جائزہ لیں تو آپ کو ایک بھی کتاب ایسی نہیں ملے گی جو دفاعِ دین کے مقصد کو پورا کرتی ہو۔ جو ان نظریات کے متعلق معلومات فراہم کرتی ہو جو اسلام مخالف نقطہء نظر رکھتے ہیں یا ان آراء کے متعلق آگاہی دیتی ہو جو اسلامی اصول و مبادی پر اعتراضات کی صورت میں موجود ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جب فضلاء معاشرے میں قدم رکھتے ہیں تو انہیں پے در پے ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ جہاں انہیں بولنا چاہیے وہاں وہ خاموش اور متحیر دکھائی دیتے ہیں اور بسا اوقات یہ صورتِ حال ہو جاتی ہے کہ وہ ان نظریات کو خود اختیار کر لیتے ہیں اور آہستہ آہستہ دینی و اسلامی فکر و نظر کو خیر آباد کہہ دیتے ہیں۔ یا پھر وہ تعصب کا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ اسلامی تعلیمات کے متعلق آگاہی تو نہیں رکھتے مگر ضد و عناد کا عجب رویہ اختیار کرتے ہیں جو تعصب کی حدوں کو چھونے لگتا ہے۔

مدارسِ دینیہ کے فضلاء کی جانب سے یہ تینوں رویے ناقابلِ قبول ہیں۔ کیوں کہ ان تینوں رویوں سے اسلام کو فائدہ تو نہیں پہنچتا البتہ نقصان و ضرر رسانی یقینی ہے۔ لہٰذا اگر نصاب تعلیم میں ایک ایسی کتاب شامل کر دی جائے جو اسلامی تصورات و نظریات کے بھرپور دفاع اور اسلام مخالف نظریات کے رد پر مشتمل ہو تو مدارسِ دینیہ کے طلبہ و فضلاء کے لیے بہت خوش آئند بات ہو گی اور دینی تعلیم کا ایک اہم مقصد بھی حاصل ہو جائے گا۔

2. ظاہری علوم کا چرچہ

مدارسِ دینیہ میں ظاہری علوم کا رجحان زیادہ غالب ہے جبکہ قدیم روایتی مدارس میں ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی و قلبی تربیت کے لیے بھی مناسب ماحول اور راہنمائی موجود ہوتی تھی۔ اصحابِ علم فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنی قلبی و باطنی اصلاح کے لیے کسی شیخ کی مجلس میں ایک طویل عرصے تک قیام کرتے تاکہ وہ قلبی بیماریوں سے نجات حاصل کر سکیں۔ ظاہری علوم آپ کو ایک راستہ اور طریق تو فراہم کرتے ہیں مگر باطنی اصلاح اور ایک صالح شیخ آپ کا ہاتھ پکڑ کر اس راستے پر لے کر جاتا ہے جہاں آپ کا جانا ضروری ہے۔ ان بیماریوں سے آپ کو دور کرتا ہے جو آپ کے لیے دنیا و آخرت میں روکاوٹ بنتی ہیں اور ان خوبیوں سے آپ کو مزین کرتا ہے جو زندگی کی جولان گاہ میں آپ کے لیے عصا اور لاٹھی کا کام کرتی ہیں۔

دارلعلوم دیوبند میں ایک طویل عرصے تک یہ ترتیب رہی کہ جب طلبہ فراغت حاصل کرتے تو کسی شیخ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیتے اور وہاں سے اپنے باطن کو اُجلا کرنے کے بعد معاشرے میں قدم رکھتے۔ لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ جب اصحابِ فکر نے یہ محسوس کیا کہ طلبہ کے لیے دورانِ تدریس بھی باطنی و قلبی اصلاح کا انتظام موجود ہونا ضروری ہے تو انہوں نے طلبہ کو تدریس و تعلیم کے دوران ہی حکماً شیوخ کی محافل و مجالس میں بیٹھنے اور اپنی اصلاح کروانے کی تلقین شروع کی۔ یہ وہ ضرورت تھی جو اس وقت بڑی شدت سے محسوس کی گئی اور آج کئی عشرے گزرنے کے بعد اس قلبی و باطنی اصلاح کی ضرورت مزید دوچند ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم بھی ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ علم کا مقصد کیا ہے؟ اور علم کے حصول کے بعد اس کا نتیجہ کو صورت میں نکلتا ہے؟۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء "(فاطر:28)

"بیشک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں "

یعنی جب علم قلب میں جان گزیں ہوتا ہے تو پھر اس کا نتیجہ اس صورت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے لگ جاتا ہے۔ خشیتِ الٰہی علم کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ لیکن یاد رہے کہ محض ظاہری علوم کے حصول کے بعد یہ توقع رکھنا کہ از خود خشیتِ الٰہی کا پھول کھل اٹھے گا، بعید ہے۔

خشیتِ الٰہی کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی علم و اصلاح کا انتظام بھی ہو تاکہ ظاہری علوم کا مقصد اور نتیجہ مکمل اور احسن طریقے سے حاصل ہو سکے۔

3. اسناد کی بے وقعتی

اکثر دینی مدارس تقریباً کسی نہ کسی وفاق اور بورڈ سے منسلک ہیں۔ وہ بورڈز ان مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کا امتحان لیتے ہیں اور اس کے بعد انہیں سند عطا کی جاتی ہے۔ یہ طریقہ کار بعینہٖ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک عصری ادارے (سکول) کا ہوتا ہے۔ وہ ایک بورڈ سے منسلک ہوتے ہیں اور وہ بورڈ ان طلبہ سے امتحان لے کر انہیں پاس یا فیل کا نتیجہ فراہم کرتا ہے اور پھر اسی کی سند بھی دی جاتی ہے۔

تاہم یہاں ایک بنیادی فرق پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ عصری ادارے اپنے ملحقہ بورڈ سے سند وصول کرتے ہیں تو وہ سند ہر جگہ اور ہر ادارے میں بعینہٖ تسلیم کی جاتی ہے۔ لیکن جب مدارس کی سند کا معاملہ ہوتا ہے تو یہاں صورت حال قدرے مختلف ہے۔ دینی مدرسے کا طالب علم جب اپنے ملحقہ بورڈ سے سند وصول کرتا ہے تو اس کی اس سند کی کوئی حیثیت اور قدر نہیں ہوتی جب تک کہ وہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے پاس جا کر اپنی سند دینے کے بعد ان سے ایک تصدیق نامہ وصول نہ کر لے۔ یہ تصدیق نامہ وصول کرنے بعد بھی کہا جائے گا کہ یہ سند نہیں بلکہ آپ کی سند کا معادلہ ہے۔ یہ صورتِ حال مدارسِ دینیہ کے طلبہ کے لیے خاصی پریشان کن ہے۔

عجیب معاملہ یہ ہے کہ جو بورڈز یا وفاق امتحانات لینے کے مجاز ہیں اور پھر نتائج فراہم کرنے کے روادار ہیں ان بورڈز کو خود حکومتِ پاکستان نے یہ اجازت دے رکھی ہے کہ وہ یہ سند عطا کر سکتے ہیں اور یہ فلاں درجے کی سند فلاں عصری ڈگری کے برابر تسلیم کی جائے گی۔ لیکن پھر وہ ہی حکومت یہ طے کرتی ہے کہ آپ اسناد فراہم کر دیں ہم اسناد کا ایک معادلہ سرٹیفیکیٹ جاری کریں گے جو یہ ثابت کرے گا کہ یہ سند واقعتاً درست ہے۔

یہ طرفہ تماشا صرف مدارسِ دینیہ کے ساتھ ہی جاری ہے۔ دیگر عصری ادارے اس کی زد میں نہیں آتے۔ اب یہ علم نہیں کہ مدارسِ دینیہ حکومت کی نگاہ میں تعلیمی ادارے نہیں یا وہ عصری تعلیمی اداروں جیسا مقام نہیں رکھتے۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں کوئی ایک ضرور موجود ہے۔

اس کے علاوہ جب مدارس کے فضلاء کو سند جاری کی جاتی ہے اور اس سند کی تصدیق بھی ہائر ایجوکیشن کمیشن کر دیتا ہے تو پھر بھی اس سند پر مدارسِ دینیہ کے فضلاء کا مستقبل تاریک دکھائی دیتا ہے۔ ادارے اس سند پر ملازمت دینے کے طرف دار نہیں ہوتے۔ مزید اعلی تعلیم تو اس سند کی بنیاد پر حاصل کر سکتے ہیں مگر جب اسی تعلیمی ادارے میں اسی سند سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملازمت کے حصول کے لیے کوشش کی جائے تو سیدھا کہہ دیا جاتا ہے کہ اس پس منظر اور اس سند کے ساتھ ملازمت نہیں دی جا سکتی۔

اسناد کی بے وقعتی طلبہ و فضلاء کے ساتھ ایک ایسا کھلواڑ ہے جس سے نبرد آزما ہونا اور اس مسئلے کا صحیح حل تلاش کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ فضلاء مدارسِ دینیہ کا تاریک مستقبل روشن ہو سکے۔

4. معاشی مشکلات کا سامنا

مدارسِ دینیہ کے فضلاء جب مدرسہ کی دہلیز سے نکل کر کے معاشرے کی پشت پر سوار ہوتے ہیں اور زندگی کی جولان گاہ میں ذمہ داریوں کا بار اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں تو اول وہلے میں ہی ان کی کمر دوہری ہو جاتی ہے۔ معاشی مشکلات انہیں قدم قدم پر رکنے، سوچنے اور پلٹنے پر مجبور کرتی ہیں۔ معاشی مشکلات کی بیسیوں وجوہات ہیں اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ میں علم و تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے مگر ہنر و فن پر کوئی نگاہ نہیں کی جاتی علاوہ ازیں اسناد کی بے وقعتی اور ناقدری اس قدر زیادہ ہے کہ کوئی ادارہ ملازمت دینے پر رضامند نہیں۔

چنانچہ اس صورت حال میں ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے فضلاء اپنے حقیقی مقصد کو بھول جاتے ہیں جو سورہ النحل کی آیت نمبر 125 میں ذکر ہوئے۔ "تبلیغ دین اور دفاعِ دین" یہ دو مقاصد ایسے ضروری ہیں کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ان کا تذکرہ کیا اور ہمیں تعلیم کے حصول کے وقت ان مقاصد کو مدنظر رکھنے کی تلقین کروائی جاتی ہے۔ لیکن جب مدرسے سے فراغت کے بعد فاضلین مالی مشکلات سے نبرد آزما ہوتے ہیں اور روٹی کا اکال پڑ جاتا ہے تو پھر سارے مقاصد بھول جاتے ہیں۔ جب پیٹ بھرا ہوا ہو تو دماغ بھی دیگر معاملات کی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب پیٹ خالی ہو اور کھانے کو کچھ میسر نہ ہو تو پھر تعلیم و تربیت کا کوئی ہوش اور خیال باقی نہیں رہتا۔

دارلعلوم دیوبند میں جب طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے تو اس کے ساتھ گھڑی ساز وغیرہ کا کام بھی سیکھتے تھے۔ تاکہ جب معاشرے میں جائیں تو ایک باعزت روزگار کا حصول ممکن ہو سکے۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ دیوبند کے فضلاء ماہر گھڑی ساز ہوا کرتے تھے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ تھانہ بھون میں جو طلبہ اصلاحِ احوال کے حاضرِ خدمت ہوتے تو حضرت ان طلبہ کو فن وہنر سیکھنے کی ترغیب دیتے۔ مختلف طلبہ کو مختلف مشوروں سے نوازتے تاکہ وہ معاشرے میں دین فروشی کا دھندہ نہ شروع کریں اور ایک باعزت روزگار حاصل کر سکیں۔ حضرت کی کتب میں روزگار کے مواقع کے موضوع پر بہت عمدہ اور اپنے زمانے کے لحاظ سے بہترین تحریریں موجود ہیں۔

مگر اس زمانے میں جہاں روزگار کا حصول ویسے ہی نہایت مشکل ہے اور پھر مدرسہ فاضل کے لیے تو مشکلات کا ایک جہاں ہے جسے وہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ آباد کیے ہوئے ہے۔ یوں انہیں بے یارومددگار چھوڑ دینا اور فن وہنر سکھائے بغیر معاشرے کے حوالے کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟

اگر مدارس دینیہ کے سنجیدہ اصحابِ فکر سمجھتے ہیں کہ فضلاء کی مالی ومعاشی مشکلات کا سدِباب کرنا ضروری ہے تو وہ مدارسِ دینیہ میں ہی اس کا اہتمام کر سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں ڈیجیٹل اسکلز اور ہنر کی بات دنیا بھر میں ہو رہی ہے۔ مدارسِ دینیہ کے طلبہ عموماً ذہین طلبہ ہوتے ہیں آپ انہیں بہت کم وقت دے کر بھی کوئی ایک ایسا خاص فن وہنر سکھا دیں جو ان کے لیے مستقبل میں معاشی سپورٹ فراہم کرے اور وہ ہنسی خوشی زندگی کی رنگینیوں سے مستفید ہو سکیں۔

چنانچہ یہ چار ایسے سنجیدہ مسائل ہیں کہ ان کا سدِباب کرنا مدارس کے اصحابِ دانش کی ذمہ داری ہے تاکہ وہ طلبہ جو ان پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی زندگی اور مستقبل داؤ پر لگا دیتے ہیں کم از کم ان کی تسلی کا سامان ہو سکے۔ ورنہ وہ لوگ جب ایک ایک نوالے کو ترسیں گے تو ضرور وہ لوگ بھی مجرم ہوں گے جنہوں نے اس صورت حال میں انہیں ڈال دیا۔ اگر وہ چاہتے تو وہ انہیں بخیر وعافیت نکال لیتے لیکن انہوں نے طلبہ کی مشکلات کو مشکل اور پیچیدہ نہیں سمجھا اور یوں وہ اس ذمہ داری کے بوجھ تلے دب کر رہیں گے۔ ان شاء اللہ